حکمتِ اقبال (۵۳)

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم

خودی اور سوشلزم (۵)

اقبال کی مساوات کا مطلب

بعض اشتراکیت پسند مسلمان کہتے ہیں کہ اقبال نے یہ مساوات قائم کی تھی کہ اشتراکیت جمع خدا اسلام ہے یا بہ الفاظِ دیگر (اشتراکیت + خدا = اسلام) اور اس سے یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ اقبال نے اشتراکیت کی حمایت کی ہے کیونکہ اشتراکیت میں اس کو صرف ایک ہی نقص نظر آیا ہے کہ اس میں خدا نہیں۔ لیکن دراصل انہوں نے اقبال کی بات پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اقبال کی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ اشتراکیت میں خدا جمع کرنے سے اشتراکیت کلیۃً اسلام بن جاتی ہے ۔ظاہر ہے کہ جب اشتراکیت میں خدا جمع ہو جائے گا تو اشتراکیت پھر یہ نہیں کہے گی کہ حقیقتِ کائنات مادّہ ہے، بلکہ وہ حقیقتِ کائنات خدا کو قرار دے گی۔ اور پھر وہ یہ بھی نہیں کہے گی کہ انسان فقط مادہ ہے بلکہ یہ کہے گی کہ اصل انسان رُوح یا خودی ہے اور مادہ یا جسم اس کا خدمت گزار ہے۔ اور روح یا خودی کی آرزو فقط خدا ہے اور خدا ہی کی محبت تمام انسانی اعمال کی قوتِ محرکہ ہے، لہٰذا وہی انسانی اعمال درست اور اچھے اور نتیجہ خیز ہو سکتے ہیں جو خدا کی محبت سے سرزد ہوں۔ لہٰذا وہ اپنے نظامِ تعلیم، نظامِ سیاست، نظامِ اخلاق اور نظامِ قانون کو خدا کی محبت کے عقیدہ پر قائم کرے گی۔ پھر وہ یہ بھی کہے گی کہ خدا کی محبت ہی وہ قوت ہے جو عملِ تاریخ کا سبب ہے، لہٰذا تاریخ کی منزلِ مقصود اشتراکیت نہیں بلکہ خدا ہے، اور خدا کے عقیدہ کے سوائے ہر نظریہ حیات ناپائیدار اور عارضی ہے۔ اور قرآن حکیم میں خدا اپنا تعارف اس طرح سے کراتا ہے کہ خدا وہ ہے جو انبیاء کے ایک سلسلہ سے انسان کی راہ نمائی کرتا ہے اور اس سلسلہ کو ایک رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کرتا ہے، جس کے دین کے متعلق اس نے وعدہ کیا ہے وہ تمام نظریات پر غالب

© rasailojaraid.com

آئے گا اور تا قیامت موجود رہے گا اور جس کی من وعن اطاعت انسان کے لیے باعثِ صد افتخار ہے۔ اب بتائیے کہ کیا اس صورت میں اشتراکیت کلیۃً اسلام نہیں بن جائے گی۔ اس صورت میں اگر اُس کا پھر بھی کوئی نشان باقی رہ جائے گا تو صرف اُن اسلامی احکام کی شکل میں جن کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے اور جن کی اطاعت سے ایک اسلامی معاشرہ میں دولت خود بخود مساوی طور پر تقسیم ہو جاتی ہے۔ اور یہ نشان بھی فقط ظاہری ہوگا، کیونکہ در اصل اسلام کے ان احکام کا پہلا اور فوری مقصد خدا کی عبادت اور خودی کا ترفع ہے، نہ کہ اقتصادی مساوات جو ان احکام کی اطاعت کا ضمنی اور اتفاقی نتیجہ ہوتی ہے۔ اقبال کی اس مساوات کی وضاحت سے یہ بات بھی آشکار ہو جاتی ہے کہ وہ مسلمان جو اپنے آپ کو بیک وقت پکا سوشلسٹ اور پکا مسلمان سمجھتا ہے اس بات سے غافل ہے کہ اگر وہ مسلمان ہے تو پھر پکا سوشلسٹ ہونا تو درکنار وہ کسی درجہ کا بھی سوشلسٹ نہیں رہ سکتا۔ اور اگر وہ سوشلسٹ ہے تو پھر پکا مسلمان ہونا تو ایک طرف وہ کسی درجہ کا بھی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ ہو نہیں سکتا کہ کوئی حیوان بیک وقت گھوڑا بھی ہو اور گدھا بھی۔

طریق کار

کہا جاتا ہے کہ دورِ حاضر میں بڑے پیمانہ کی صنعت نے جو حالات پیدا کیے ہیں ان میں سرمایہ دار محض اپنے سرمایہ کی وجہ سے اس موقف میں ہوتا ہے کہ وہ مزدور کو اُس کی محنت کا پورا معاوضہ نہ دے اور وہ اسے پورا معاوضہ نہیں دیتا اور یہ بے انصافی ہے۔ لیکن کیا اس بے انصافی کے ازالہ کے لیے اُس دین کے ماننے والوں کو سوشلزم کی ضرورت ہے جس کی تعلیم یہ ہے کہ عدل کے تقاضوں کو کہیں بھی نظر انداز نہ ہونے دو، "لوگوں کا مال ناحق نہ کھاؤ نہ کھلاؤ اور دولت تمہارے اغنیاء میں گھومتی نہ رہے"۔ کیا وہ اس مقدس تعلیم کے ہوتے ہوئے اپنی مومنانہ فراست سے خود نہیں دیکھ سکتے کہ ظلم کہاں کہاں ہو رہا ہے اور اس کے ازالہ کے لیے وہ خود نئے اسلامی قوانین نہیں بنا سکتے۔ اسی قسم کی بعض بے انصافیاں اسلام کے ظہور کے وقت بھی رائج تھیں اور اسلام نے اُن کے ازالہ کے لیے قوانین وضع کیے تھے۔ ان قوانین کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے لیے بروقتِ ضرورت اسی قسم کے اور قوانین بنانے کے لیے تاقیامت ایک راستہ کھل جائے۔ اسی لیے اسلام کی راہ نمائی قیامت تک کے لیے کافی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیّین ہیں۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ جہاں خدا اور رسول کے احکام موجود

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

نہ ہوں ہمیں اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں نئے قوانین بنانے کی اجازت ہے۔ اسی کو اسلام کی اصطلاح میں اجتہاد کہا جاتا ہے۔ نئے حالات سے نپٹنے کے لیے ہم یقیناً نہایت آزادی کے ساتھ، دوسروں کی نقل کرنے کے بغیر، اپنے اسلامی مصالح اور مقاصد کے مطابق، نئے قوانین بنا سکتے ہیں اور ایسے قوانین بنانے کے لیے ہمیں ہمارے ایمان کی روشنی کی راہ نمائی کفایت کرتی ہے۔ سوشلزم مذہب کی خوشہ چینی کر رہا ہے اور اہلِ مذہب بالخصوص اسلام ایسے ایک زندہ اور مکمل مذہب کے ماننے والوں کی سادگی دیکھئے کہ وہ اپنے آپ کو سوشلزم کی خوشہ چینی کا محتاج سمجھ رہے ہیں۔ ع

سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ!

لیکن اس قسم کے قوانین اسلامی نظام کے جزو کے طور پر ہی وجود میں آ سکتے ہیں۔ اس نظام سے الگ ہو کر ایک اسلامی معاشرہ میں ان کے وجود کی کوئی وجہ جواز اور کوئی قدر و قیمت نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ اسلامی نظام سے الگ ہو کر وجود میں آئیں گے تو مسلمانوں کو اسلام سے ہٹا کر سوشلزم کی طرف لے جائیں گے۔ ان قوانین کا جواز اس وقت پیدا ہو گا جب ہم پورا اسلامی نظام نافذ کر چکے ہوں گے اور اس کو اپنا اثر پیدا کرنے کے لیے پورا موقعہ دے چکے ہوں گے اور اس کے باوجود یہ محسوس کریں گے کہ کچھ اور قوانین کی ضرورت ہے۔

ہمیں سب سے پہلے اسلامی نظامِ تعلیم کے سمیت پورا اسلامی نظام جس میں زکوٰۃ اور وراثت کے قوانین بھی شامل ہیں، نافذ کرنا چاہیے اور پھر اس کے بعد اگر عدل کی ضرورتیں تقاضا کریں تو ہم اور قوانین (اجتہادی قوانین) مثلاً صنعت، تجارت اور زراعت کے بعض اداروں کو قومیانے کے بارہ میں قوانین بھی وضع کر سکتے ہیں، لیکن یہ قوانین صرف ایسے لوگوں کے مشورہ سے ہی بن سکیں گے جو متقی اور پرہیزگار ہوں، اسلام کے مقاصد کو علمی اور عقلی نقطۂ نظر سے سمجھتے ہوں، اس کے شاندار مستقبل پر یقین رکھتے ہوں اور عہدِ قدیم اور عصرِ جدید کے علوم کے ماہر ہوں اور جدید اسلامی تعلیم کے نفاذ کے بعد ایسے لوگوں کی کوئی کمی باقی نہیں رہے گی۔

ایک روشن حقیقت

ہمیں اس روشن حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ جو سوشلسٹ قسم کی نام نہاد اقتصادی اصلاحات

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ہم اسلامی نظامِ تعلیم اور اسلامی قوانینِ زکوٰۃ و میراث وغیرہ کے نفاذ سے پہلے اسلامی سوشلزم کا نام دے کر جاری کریں گے وہ اسلام کی راہ سے نہیں آئیں گی بلکہ اسلامی نظام کے قائم مقام کی حیثیت سے آئیں گی۔ اور اُن کا آنا اس مفروضہ پر مبنی ہوگا کہ اسلامی نظام معاذ اللہ بیکار اور فرسودہ اور قابلِ ترک ہو گیا ہے۔ اس صورت میں اُن کے پس منظر میں سوشلزم کا پورا نظام موجود ہوگا جو اُن کے ساتھ آتے گا، اگرچہ رفتہ رفتہ سامنے آتے گا۔ اور اس سوشلسٹ نظام میں سوشلسٹ ضابطۂ اخلاق بھی شامل ہوگا جو اسلامی ضابطۂ اخلاق کے بالکل برعکس ہوگا اور جس کی رُو سے سوشلزم کو لانے کے لیے قتل، لوٹ، مار، آتش زنی اور املاک کو نقصان رسانی ایسی خدا کو ناراض کرنے والی حرکات سب جائز ہوں گی اور ضابطۂ اخلاق شروع میں ہی ان اصلاحات کو لانے کے طریق میں ظاہر ہو جائے گا۔ غرض یہ کہ اُن کو لانے کی جدوجہد کے آغاز کے دن سے ہی اُن میں اور اسلامی نظام میں ایک تضاد پیدا ہو جائے گا۔ اِن کے فروغ اور استحکام سے اسلامی نظام لوگوں کے دلوں میں رائج ہوتا جائے گا اور اسلامی نظام کے اُبھرنے کے امکان سے ان کے دبنے اور مٹنے کا اندیشہ پیدا ہوتا رہے گا۔ لہٰذا اُن کی حفاظت کے لیے اور اُن کے حریف اسلامی نظام کو دبانے اور مٹانے کے لیے سوشلزم کا قانون زیادہ سے زیادہ آشکار ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ اسلام کا نام پہلے فقط زبانوں پر رہ جائے گا اور چند نسلوں کے بعد زبانوں پر بھی باقی نہ رہے گا۔

اسلام کی طرف پیش قدمی یا موت

اگر ہم اُس دین کی توہین کرنا نہیں چاہتے جس پر ہم ایمان لائے ہیں، اگر ہم اپنے "سالارِ کارواں" اور "میرِ حجاز" صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر بعض اور نام نہاد مسلمان قوموں کی طرح خدا کی رحمت سے دُور اور دنیا اور آخرت میں ذلیل ہونا نہیں چاہتے، اگر ہم اپنے آپ کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو ایک ایسے نظریۂ حیات کے سپرد کرنا نہیں چاہتے جو علمی اور عقلی معیاروں پر پورا نہیں اتر سکتا، جس کا حقیقتِ کائنات کا تصور غلط ہے، جس کا انسانی اعمال کی قوتِ محرکہ کا تصور درست نہیں، جس کا عمل تاریخ کے سبب کا نظریہ نامعقول ہے، جس کا فلسفۂ سیاست، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ تعلیم، اور جس کی نفسیاتِ فرد اور نفسیاتِ جماعت سب غلط ہیں اور جو خود بھی ایک کل کی حیثیت سے عارضی اور ناپائیدار ہے، اگر ہم ڈینوسار کی نسل کی طرح اور تمام غلط نظریات کے ماننے والوں کی طرح عملِ ارتقاء کی بے پناہ ضربوں سے مٹ جانا

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

نہیں چاہتے، اگر ہم رحمۃ للعالمینؐ کے دامن سے لپٹی ہوئی دنیا کی آخری قوم بننا چاہتے ہیں جو اپنے ایمان کی وجہ سے اقوامِ عالم کی قیادت کرے گی، جو رُوئے زمین پر پھیل جاتے گی اور جو نوعِ انسانی کو امنِ عالم اور اتحادِ عالم کی نعمتوں سے مستقل طور پر ہمکنار کرے گی، اگر ہم نہیں چاہتے کہ خدا ہمیں مٹا کر ایک اور قوم دنیا میں لائے جو اس کی اطاعت بجا لا کر مقاصدِ ارتقاء کو پورا کرے اور ہماری بجائے قوموں کی امامت کے شاندار منصب پر فائز ہو، اور پھر اگر ہم نہیں چاہتے کہ ہم اپنے آپ کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو دوزخ کی آگ کا ایندھن بنائیں تو ہمیں اپنے معاشرہ کی اصلاح کے لیے اُس اسلام کی طرف آگے بڑھنا پڑے گا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے عمل کیا تھا اور جس کا مرکزی نکتہ خدا کی عبادت اور پہلا اور آخری مقصد پوری نوعِ انسانی میں خدا کی محبّت کی نشوونما اور خودی کی تعمیر اور تربیت ہے۔ یہی اسلام ہے جس کے متعلق اقبال کہتا ہے کہ وہ شیطان کے نزدیک شیطان کے منصوبوں کو خاک میں ملانے والا "فتنۂ فردا" ہے اور جس میں صلاحیت ہے کہ آخر کار روئے زمین کے کناروں تک پھیل کر رہے۔

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم!

اقبال کا موقف

سوشلزم کے بارے میں اقبال کا موقف اُن اشعار سے واضح ہو جاتا ہے جن میں اس نے سوشلزم کے متعلق اشارے کیے ہیں لیکن بعض لوگ ان اشعار کی تشریح غلط طور پر کرتے ہیں۔ چونکہ اقبال کے فلسفۂ خودی کا سرچشمہ اسلام ہے، لہٰذا اگر قارئین سوشلزم اور اقتصادی مسئلہ کے متعلق اسلام کے اُس نقطۂ نظر کو جو اُوپر کی تمہیدی گزارشات میں پیش کیا گیا ہے اور نیز اقبال کے پورے کلام کو مدِنظر رکھیں گے تو اقبال کے ایسے اشعار کو سمجھنے میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوگی۔

شکم میں خودی کی احمقانہ جستجو

جاوید نامہ میں اقبال جب "زندہ رود" کی زبان سے جمال الدین افغانی کے روبرو یہ کہلواتا ہے کہ مشرق مغربی ملوکیت کے ہاتھوں ستم اٹھا رہا ہے اور اشتراکیت نے دین و ملت کی آب و تاب کو ختم کر دیا ہے۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

مشرق از سلطانیٔ مغرب خراب
اشتراک از دین و ملت بردہ تاب

تو افغانی اپنے جواب میں سوشلزم کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کتاب "سرمایہ" کے یہودی مصنف کو بعض لوگوں نے ایک پیغمبر کی طرح اپنا راہ نما تسلیم کر لیا ہے' اگرچہ جبرئیل خدا کی وحی لے کر اُس کے پاس نہیں آیا تھا۔ اگر اُسے پیغمبر کہا جائے تو وہ "پیغمبرِ بے حق ناشناس" تھا۔ تاہم چونکہ ہر باطل کی طرح اُس کے باطل میں بھی حق چھپا ہوا موجود ہے' جو اس کی غلط تدابیر کی وجہ سے مکمل اور مستقل طور پر جامۂ عمل نہیں پہن سکتا' لہٰذا یوں سمجھنا چاہیے کہ اُس کا دل تو ایک مومن کے دل کی طرح حق کا طالب تھا' لیکن اِس کا کافرانہ دماغ یہ بات نہیں سمجھ سکا کہ جو حق وہ چاہتا ہے اُس کے لوازمات اور تقاضے کیا ہیں۔ مثلاً وہ اقتصادی مساوات پر یقین رکھتا تھا اور اُسے بروئے کار لانا چاہتا تھا' لیکن وہ یہ نہیں سمجھ سکا کہ اقتصادی مساوات فقط بیرونی [illegible] اور قانون کے [illegible] سے قائم نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے فرد کے دل میں خدا کی محبت کی پرورش کرنا اور پرورش کر کے اُسے جس حد تک ممکن ہو کمال تک پہنچانا بھی ضروری ہے۔ گمراہ انسان جو اپنے اندر حرص و ہوا اور خود غرضی اور خود پرستی کے طاقتور میلانات رکھتا ہے صرف خدا کی خوشنودی ایسے ایک بیش بہا اور لازوال مقصد کے لیے ہی دوسروں سے مخلصانہ محبت کر سکتا ہے اور اپنے فائدہ کو ترک کر کے سچ مچ دوسروں کی بھلائی کی آرزو کر سکتا ہے۔ دوسروں کی بھلائی کی آرزو خدا کی رضامندی کی آرزو کا ایک پہلو ہے اور خدا کی رضامندی وہی چاہتا ہے جو خدا پر ایمان لا چکا ہو اور خدا سے گہری محبت رکھتا ہو۔ انسان کی غیر مبدّل فطرت کی رُو سے پوری بے غرضی اور پورے اخلاص کے ساتھ دوسرے انسانوں سے محبت کرنے اور اُن کی بھلائی چاہنے کا کوئی اور مستقل اور قابلِ اعتماد محرّک انسان کے لیے ممکن نہیں۔ اہلِ مغرب ماوراء الطبیعیات (افلاک) کی دنیا سے بے تعلق ہیں اور خدا کو بھولے ہوئے ہیں جس کی محبت کی نشوونما انسان کی خودی یا روح کی بالیدگی کے لیے ضروری ہے۔ اور سمجھتے ہیں کہ اگر وہ شکم کی ضرورتوں کو ٹھیک طرح سے پورا کر لیں گے تو جسم کی بالیدگی کے ساتھ اُن کو خودی (جانِ پاک) کی بالیدگی بھی حاصل ہو جاتی ہے' حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ خودی کی بالیدگی کی شرطیں اور ضرورتیں بالکل مختلف ہیں' مثلاً آیات اللہ کے طور پر مظاہرِ قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ' دل سے خدا کا ذکر اور خدا کی مخلصانہ عبادت' نبوتِ کاملہ کے ضابطۂ اخلاق و اعمال کی عاشقانہ پیروی۔

© rasailojaraid.c

صاحبِ سرمایہ از نسلِ خلیل ۔۔۔ یعنی آں پیغمبرے بے جبرئیل
زانکہ حق در باطلِ اُو مضمر است ۔۔۔ قلبِ اُو مومن دماغش کافر است
غربیاں گم کردہ اند افلاک را ۔۔۔ در شکم جویند جانِ پاک را

خودی کی رونق جسم پر موقوف نہیں

روح یا جانِ پاک جسم کی ضروریات کی تشفی سے رونق اور حسن اور کمال (رنگ و بو) حاصل نہیں کرتی، لیکن سوشلزم کی ساری تگ و دو فقط جسم کی ضروریات کی تشفی تک محدود ہے۔ اس "پیغمبرِ حق ناشناس" کے باطل دین کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ تمام انسانوں کو ایک شکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا سب انسان برابر ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ یہ خیال سراسر غلط ہے۔ اخوت کا احساس ایک روحانی یا اخلاقی قدر ہے اور اسی لئے آرزوئے حسن یا خدا کی محبت کا ایک پہلو ہے اور آرزوئے حسن یا خدا کی محبت خودی یا روح (دل) کا ایک تقاضا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اخوّت کے احساس کی جڑ انسان کی خودی میں ہے نہ کہ اُس کے شکم میں یا اُس کیچڑ میں جس سے اِس کا جسم بنا ہے۔ اور یہ احساس خودی کی پرورش کر کے اس کو طاقتور کرنے سے ہی طاقتور ہو سکتا ہے۔ بیشک سب انسان برابر ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں، لیکن اس لیے کہ سب کا محبوب اور مقصود خدا ہے جو چاہتا ہے کہ انسان آپس میں اخوت کا احساس کریں اور محبت سے رہیں شکم کی مساوات محبت اور اخوت پیدا نہیں کرتی بلکہ رقابت اور دشمنی پیدا کرتی ہے، کیونکہ جو چیز ایک انسان کے شکم میں جاتی ہے وہ دوسرے کے شکم میں نہیں جاتی اور ہر انسان کا شکم چاہتا ہے کہ اُسے زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر طریق پر پُر کیا جائے۔

رنگ و بُو از تن نگیرد جانِ پاک ۔۔۔ جُز بہ تن کارے ندارد اشتراک
دینِ آں پیغمبرے حق ناشناس ۔۔۔ بر مساواتِ شکم دارد اساس
تا اخوت را مقام اندر دل است ۔۔۔ بیخِ اُو در دل نہ در آب و گِل است

ملوکیت اور سوشلزم دونوں آب و گِل میں غرق ہیں

اس کے بعد افغانی ملوکیت پر تنقید کرتا ہے اور پھر ان دونوں کے مشترک اور متضاد نقائص کو بیان

© rasailojaraid.com

کرتا ہے۔ دونوں نظریات ناصبور و ناشکیب ہیں، کیونکہ دونوں اپنے اپنے حلقۂ اثر کی توسیع کے لیے بے قرار رہتے ہیں۔ دونوں خدا اور اس کے پسندیدہ اصولِ اخلاق سے بیگانہ ہیں۔ دونوں کا شیوہ آدم کو فریب دینا اور بہکانا ہے، ایک کے لیے زندگی بغاوت کا نام ہے اور وہ سوشلزم ہے اور دوسرے کے لیے زندگی خراج وصول کرنے اور دوسری قوموں کو لوٹنے کا نام ہے اور وہ ملوکیت ہے۔ اور آدمی وہ شیشہ ہے جو ان دونوں پتھروں کے درمیان پس رہا ہے۔ سوشلزم علم اور فن اور دین کو تباہ کر رہا ہے، کیونکہ ان تینوں کو اپنے غلط نقطۂ نظر کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے اور ملوکیت کا حال یہ ہے کہ غلامی پر رضامند کر کے جسم سے جان نکال لیتی ہے، یعنی خودی کے تقاضوں کو فراموش کرا دیتی ہے اور لوٹ کھسوٹ کر کے ہاتھ سے روٹی چھین لیتی ہے۔ دونوں کیچڑ میں غرق ہیں، یعنی کیچڑ سے بنے ہوئے جسم کی خواہشات اور ضروریات کے غلام ہیں۔ دونوں کا تن روشن ہے اور دل تاریک، یعنی جسم کی ضروریات کے لحاظ سے کامیاب اور خوشحال ہیں اور خودی کی ضروریات کے لحاظ سے ناکام اور بدحال۔ دونوں اس بات سے بے خبر ہیں کہ زندگی کا مقصد یہ ہے کہ انسان خدا کی محبت کا سوز و گداز پیدا کرے اور بڑھائے، اور اس طرح سے اپنی خودی یا شخصیت کی تعمیر کر کے اس خاکی کائنات کے اندر خدا کی محبت کا ایسا بیج بوئے جو ہمیشہ بڑھتا اور پھولتا رہے۔ افغانی کے الفاظ یہ ہیں۔

ہر دو را جاں ناصبور و ناشکیب
ہر دو یزداں ناشناس آدم فریب
زندگی ایں را خروج، آں را خراج
درمیانِ ایں دو سنگ آدم زجاج
ایں بہ علم و دین و فن آرد شکست
آں برد جاں را زتن ناں را زدست
غرق دیدم ہر دو را در آب و گل
ہر دو را تن روشن و تاریک دِل
زندگانی سوختن با ساختن
در گِلے تخمِ دِلے انداختن

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

سوشلزم نہ ہوس کا علاج ہے نہ اقتدار پرستی کا

خودی کی فطرت سے، جو فقط خدا کی آرزو رکھتی ہے، اقبال کے اس خیال کی صداقت آشکار ہے کہ روسی انقلاب کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ روس میں لوگوں نے ایک بُت کو توڑا ہے اور ایک نیا بُت تراش لیا ہے۔ چونکہ وہاں اب بھی لوگوں کو خدا پر ایمان نہیں اور خدا کی مخلصانہ محبت مفقود ہے لہٰذا جمہور کے انقلاب کے باوجود وہاں ہوسِ اقتدار اپنے تمام بُرے نتائج کے سمیت موجود رہے گی اور لوگوں کی اقتدار پرستی اور اقتدار پسندی کی بیماریوں میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ جس شخص کے پاس اقتدار ہوگا وہی لوگوں کا مستبد حاکم اور بادشاہ اور آقا بن جائے گا اور لوگ خود اپنی رضامندی سے اُس کے محکوم اور مظلوم غلام یا رعایا بن جائیں گے۔ بُت پرستی کافروں کی سرشت میں ہے کیونکہ اُس کے بغیر اُن کا چارہ نہیں جب وہ خدا کو چھوڑ چکے ہیں تو پھر اپنے جذبۂ عبادت کو مطمئن کرنے کے لیے بتوں کے سوائے کس کو پوجیں جب وہ کسی پُرانے بُت سے بیزار ہو کر اُس کو توڑنے پر مجبور ہوتے ہیں تو انہیں اُسی وقت ایک نیا بُت پوجنے کے لیے تراشنا پڑتا ہے۔ اقبال کا مطلب یہ ہے کہ ان بیماریوں کا علاج یہ ہے کہ حاکم اور محکوم دونوں خدا کی محبت کا سوز و گداز رکھتے ہوں۔ پھر نہ حاکم اپنے آپ کو حاکم سمجھے گا اور نہ محکوم ہی محکوم رہے گا۔ رومی کے الفاظ میں سودائے عشق ہی ہماری تمام علتوں کا طبیب ہے، وہی ہمارا افلاطون اور جالینوس ہے جو ہمیں ہر قسم کی روحانی اور نفسیاتی بیماریوں سے نجات دے سکتا ہے۔

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علّت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

اقبال نے روسی سوشلسٹ انقلاب کے معمار موسیو لینن اور اُس کے ہم عصر جرمنی کے قیصر ولیم کی ایک گفتگو نظم کی ہے۔ لینن بڑے فخر کے ساتھ قیصر ولیم کو کہتا ہے کہ دیکھا ہمارے مفلس اور غلام مزدور نے کس طرح سرمایہ دار کی قمیصِ اقتدار کو، جو ہمارے خون سے رنگین تھی، پھاڑ ڈالا ہے۔ عوام کے غصّہ کی آگ کے شعلوں نے اس پُرانے بیکار سامان کو، جو پوپ کی چادر اور شہنشاہ کی قبا پر مشتمل تھا، جلا کر راکھ کر دیا ہے۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

نتیجہ یہ ہے کہ اب نہ کلیسا کا اختیار باقی رہا ہے اور نہ بادشاہ کا اقتدار۔

غلام گرسنہ دیدی کہ بر درید آخر
قمیصِ خواجہ کہ رنگیں ز خونِ ما بوداست
شرارِ آتشِ جمہور کہنہ ساماں سوخت
ردائے پیرِ کلیسا قبائے سلطاں سوخت

قیصر ولیم اُسے جواب دیتا ہے کہ اس پر فخر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بات وہیں ہے جہاں پہلے تھی۔ تم لوگ جو خدا کی طرف نہیں آتے بت پرست ہو اور تم نے صرف ایک بت کو توڑ کر دوسرا بُت تراش لیا ہے، کیونکہ بتوں کا طواف کرنا بت پرست کی سرشت میں ہے۔ اس میں بتوں کی دلکشی یا اُن کے ناز و عشوہ کا بھی قصور نہیں۔ کافر کا کام ہی یہ ہے کہ وہ پُرانے خداؤں سے اُکتا کر نئے خدا بناتا رہتا ہے اور پھر خدا اس کے دین اور اس کی دنیا کو راہ زن کی طرح لُوٹتے رہتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ پوپ اور بادشاہ راہ زن تھے جو ظلم کیا کرتے تھے۔ یہ بات مت کہو۔ راہ رو خود ہی اپنا راہ زن ہے۔ اس انقلاب کے بعد تم جن لوگوں کو برسرِ اقتدار لائے ہو وہی تمہارے راہ زن ثابت ہوں گے۔ اور تم خود ہی ان کو راہ زن بنا رہے ہو، کیونکہ تم نے ان کی ہوس کا علاج نہیں کیا اور ان کو اقتدار دے دیا ہے۔ راہ زن کے ظلم میں اتنا جرم راہ زن کا نہیں جتنا خود راہرو کا ہے جو خود اپنا سامان لٹانا چاہتا ہے۔ اگر اقتدار اب جمہور کے ہاتھ میں آگیا ہے تو پھر بھی سوسائٹی میں وہی ظالمیت اور مظلومیت کے ہنگامے ہوتے رہیں گے جن سے بیزار ہو کر تم لوگوں نے یہ انقلاب برپا کیا تھا اس انقلاب سے تم ہوس کا ازالہ نہیں کر سکے۔ خدا کی محبت کے بغیر، جیسے آتشکدہ سے آگ نہیں بجھتی، آدمی کے دل سے ہوس نہیں جاتی۔ جب تک انسان خدا کے سامنے سر نہیں جھکاتا اقتدار کی سحر فن دلہن کی زلفِ پرپیچ کا حسن اُسے بدستور اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔ شیریں کے ناز کا خریدار اگر خسرو نہ ہوگا تو کوہکن ہوگا، کیونکہ وہ بغیر خریدار کے نہیں رہ سکتا۔

گناہِ عشوہ و نازِ بتاں چیست — طواف اندر سرشتِ برہمن ہست
دمادم نو خداونداں تراشد — کہ بیزار از خدایانِ کہن ہست
ز جورِ رہزناں کم گو کہ رہرو — متاعِ خویش را خود راہ زن ہست
اگر تاجِ کئی جمہور پوشد — ہماں ہنگامہ ہا در انجمن ہست

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

ہوس اندر دلِ آدم نہ میرد   ہماں آتش میانِ مرزغن ہست
عروسِ اقتدارِ سحر فن را   ہماں پیچاکِ زلفِ پرشکن ہست
نماند نازِ شیریں بے خریدار
اگر خسرو نماند کوہکن ہست

فرد اکا نظریۂ زندگی اسلام ہے

اپنی نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" میں اقبال نے بڑے مؤثر اندازِ بیان سے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ سوشلزم میں یہ صلاحیت نہیں کہ ابلیس کے کام میں رکاوٹ پیدا کر سکے اور مستقبل کا نظریۂ حیات، جو ابلیس کی قیادت میں تعمیر پانے والی دنیائے اشرار کو زیر و زبر کر دے گا، وہ سوشلزم نہیں بلکہ اسلام ہے۔ سوشلزم کی ظاہری دھوم دھڑ کو دیکھ کر ابلیس کے ایک مشیر کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ اب شاید ابلیس کا کام آگے نہیں بڑھ سکے گا، لیکن ابلیس اسے جواب دیتا ہے کہ مجھے سوشلسٹوں سے کوئی خوف نہیں، کیونکہ وہ انسان کی صحیح راہ نمائی کی استعداد سے بے بہرہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کے اصل مقصود یعنی خدا سے برگشتہ ہونے کی وجہ سے وہ "کوچہ گرد" یعنی آوارہ اور بے قرار ہیں اور وہ "پریشاں روزگار" ہیں یعنی اطمینانِ قلب سے محروم ہونے کی وجہ سے اُن کی زندگیاں پریشان ہیں۔ وہ "آشفتہ مغز" ہیں یعنی اُن کا فکر یا فلسفہ نامعقول ہے اور پریشان خیالیوں کا مجموعہ ہے اور "آشفتہ ہو" ہیں یعنی اپنی محبت کے جذبہ کو بے محل صرف کر رہے ہیں۔

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ ہو

اگر مجھے خطرہ ہے تو امتِ مسلمہ سے جس کی راکھ میں خدا کی محبت کا شرار اب تک چمک رہا ہے۔ اس امت میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں، اگرچہ وہ تھوڑی تعداد میں ہیں، جن کو تہجد کی نماز میں خدا کی محبت کا جوش رُلاتا ہے۔ ہر وہ شخص جو "باطنِ ایام" یعنی ارتقاء کی منزلِ مقصود کا علم رکھتا ہے اس بات کو جانتا ہے کہ کل کا انقلاب (فتنہ) جو ابلیس کے بنے بنائے کھیل کو بگاڑ دے گا سوشلزم نہیں بلکہ اسلام ہے۔

© rasailojaraid.com

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اِس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے

نشرِ توحید کا فریضہ

خدا سے محبت کرنا تعلیماتِ اسلام کی روح ہے، لیکن خدا کی محبت کا تقاضا فرد کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے اندر یہ بات بھی شامل ہے کہ خدا کے دوسرے بندوں کو بھی خدا کی محبت سے بہرہ ور کیا جائے اور جب تک خدا کا ایک بندہ بھی خدا کی محبت سے بے نصیب ہو، چین سے نہ بیٹھا جائے۔

زانکہ در تکبیر رازِ بودِ تُست
حفظ و نشرِ لا الٰہ مقصودِ تُست
تا نہ خیزد بانگِ حق از عالمے
گر مسلمانی نیاسائی دمے

مومن کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لیے آزادیٔ عمل حاصل کرے اور دوسرے موافق حالات بھی، جو ضروری ہوں، پیدا کرے لیکن ایسا کرنے کے لیے اُسے لازماً کئی مشکلات پیش آتی ہیں اور کئی دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے جو ایمان کی اس دعوت کو اپنے معبودانِ باطل کے لیے ایک خطرہ سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے علمبرداروں کو نیست و نابود کر دیں۔

خوگرِ من نیست چشمِ ہست و بود   لرزہ برتن خیزدم از بیمِ نمود

ایسی حالت میں مومن کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ جان سے بے پرواہ ہو کر ہر مزاحمت کے ساتھ ٹکر لے اور اس پر عبور حاصل کرے، اور اگر ضرورت پڑے تو اس کوشش میں اپنی جان قربان کر دے۔ توحید کا مطلب خدا کو ایک ماننا ہی نہیں بلکہ اپنی خودی کی ساری قوتوں کو بروئے کار لا کر ایک منوانا بھی

© rasailojaraid.co

ہے۔ دوسرے لفظوں میں توحید کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کو، جو اس وقت کفر اور شرک پر قائم ہے، توڑ پھوڑ کر ایک نئی دنیا بنائی جائے جو توحید کے عقیدہ پر مبنی ہو۔ اقبال کے نزدیک توحید کی تعریف یہی ہے

خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا، نہ میں سمجھا

مومنانہ کردار

پھر جوں جوں خدا کے بندے خدا کی محبت کی نعمت سے بہرہ ور ہوتے جاتے ہیں، خدا کی شریعت بھی دنیا میں نافذ ہوتی جاتی ہے، کیونکہ خدا کی محبت میں خدا کی شریعت کی اطاعت بھی شامل ہے۔ اقبال اطاعت کی اسی اشاعت کو ہی کردار کا نام دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمان اس کردار کو پیدا کرے۔ اسلامی کردار یہ نہیں، جیسا کہ ہمارے بعض سادہ لوح دانشوروں نے سمجھا ہے، کہ سوشلسٹ قسم کی اقتصادی مساوات قائم کر دو اور اسلام کا عملی اطلاق سامنے آ گیا۔ اسلام جسم کی ضروریات کو فقط زندگی قائم رکھنے کی حد تک اہمیت دیتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے نزدیک ساری اہمیت اصل انسان کی ضروریات کی ہے جو بعد از مرگ بھی زندہ رہتا ہے اور جس سے اس کی اصل زندگی وابستہ ہے
اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ — العنکبوت: ۶۴)

طریقِ خانقاہی

تاہم اس کردار کے ظہور پذیر ہونے میں ایک بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ اچھے اچھے مسلمانوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ مسلمانی کا کمال یہ ہے کہ مسلمان ارکانِ اسلام کی پابندی کرے، زہد اور تقویٰ کو اپنا شعار بنائے اور ایک مرشدِ کامل کی ہدایت کے مطابق ذکر و فکر اور نوافل کے ساتھ خدا کی محبت کو فروغ دے اور قلبی کیفیات کو پیدا کرے۔ یہ سارا پروگرام اچھا اور ضروری ہے، لیکن وہ اس پروگرام میں مسلمان کا یہ فرض شامل نہیں کرتے کہ وہ خدا کی دنیا کو بدل کر خدا کی مرضی کے مطابق بنائے، حالانکہ قرآن حکیم کا ارشاد یہ ہے کہ مسلمان قوم دوسرے لوگوں کی راہ نمائی کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرض کی ادائیگی کے لیے بارہا اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا اور حضورؐ کی وفات کے بعد صحابہ اور تابعین نے

© rasailojaraid.com

اپنی جانوں سے بے پرواہ ہوکر اس فرض کو ادا کیا۔ ایک طرزِ عمل یہ ہے کہ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر ذکر اور فکر سے خدا کی محبت کی نشوونما کر کے درجۂ کمال پہ پہنچانے کی کوشش کی جائے اور اس کو کافی سمجھا جائے۔ دوسرا طرزِ عمل یہ ہے کہ اس کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ محبت کے کمال کو زوردار کردار کا ذریعہ بنایا جائے اور اگر ضرورت ہو تو خدا کی مرضی کے مطابق دنیا کو بدلنے کے لیے جان کو خطرہ میں ڈال دیا جائے۔ پہلے طرزِ عمل کو اقبال طریقِ خانقاہی کہتا ہے اور اُسے ناکافی سمجھتا ہے۔

یہ معاملے ہیں نازک، جو تری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی

اور دوسرے طرزِ عمل کو مومنانہ کردار کا نام دیتا ہے۔ یہ مومنانہ کردار دنیا میں ایک زلزلہ پیدا کر دیتا ہے۔

مستقبل کا نظریۂ حیات اسلام کیوں ہے

مستقبل کا اسلامی انقلاب جس سے ابلیس خوفزدہ ہے، مومن کے ایسے ہی کردار کے نتیجہ کے طور پر رونما ہوگا۔ اس لیے ابلیس کی کوشش یہ ہے کہ کسی طرح سے مردِ مومن اس کردار کے لیے آمادہ نہ ہو۔ ابلیس اپنے اس خیال کی وجوہات بیان کرتا ہے کہ کیونکہ آخری انقلاب سوشلزم نہیں بلکہ اسلام ہے۔ وہ کہتا ہے میں جانتا ہوں کہ اس وقت مسلمان قرآن پر عمل نہیں کرتا اور بندۂ مومن کا دین دولت جمع کرنا ہے، یہ بھی جانتا ہوں کہ مشرق کی عام گمراہی کے اِس دَور میں علماء دینِ خدا کی مخلصانہ محبت کے وصف سے عاری ہیں لیکن عصرِ حاضر بے دینی اور بے راہ روی اور ظلم اور تشدد کے جس دَور سے گزر رہا ہے وہ تادیر جاری نہیں رہ سکتا۔ ضروری بات ہے کہ انسان کی فطرت، جو نیک ہے، اس کے خلاف ردِّ عمل کرے۔ ایسی حالت میں اس بات کا خدشہ ہے کہ شرعِ پیغمبرؐ جسے دورِ جدید کا انسان اب تک نہیں جانتا، کہیں آشکار نہ ہو جائے، اور یہ شرعِ پیغمبرؐ وہ چیز ہے جس سے سو بار پناہ مانگنی چاہیے۔ اِس لیے کہ یہ عورت کے ناموس کی محافظ ہے، مرد کو امتحان میں ڈال کر آزمودہ اور پختہ کرتی ہے اور انسان کی ہر قسم کی غلامی کے لیے پیغامِ اجل ہے۔ یہ نہ تو کسی کو بادشاہ تسلیم کرتی ہے اور نہ کسی کو مفلس ہی رہنے دیتی ہے۔ دولت آفرینی کے طریقوں کو پاکیزہ اور شستہ کر کے دولت کو حرام، ناجائز اور ناروا عناصر سے پاک و صاف

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے دولت مند اپنے آپ کو دولت کا مالک نہیں بلکہ امین سمجھتا ہے اور اس کا اصلی مالک خدا ہی کو قرار دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر فکر و عمل کے اندر صحیح تبدیلی اور کیا لائی جا سکتی ہے کہ یہ کہہ دیا جائے کہ زمین بادشاہوں کی نہیں بلکہ خدا کی ہے۔ ایسا قانون دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہی رہے تو اچھا ہے۔ غنیمت ہے کہ مومن کو خود یقین نہیں کہ اُسے اس آئین کو نافذ کرنے کے لیے زوردار کردار یا عمل کی ضرورت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ وہ اس ضرورت کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اور الٰہیات کے مسائل میں اُلجھ کر اور قرآن کی تاویلات میں منہمک ہو کر یہ تسلّی پاتا رہے کہ اُس نے دین و ایمان کے تمام تقاضے پورے کر دیئے ہیں اور اب اُسے ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اور کسی عمل کی حاجت نہیں۔

جانتا ہوں میں یہ امّت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
مُنعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

اقبال کے ان اشعار سے واضح ہے کہ آیا اس کے نزدیک سماجی بیماریوں کا علاج سوشلزم ہے یا شریعتِ اسلامی!

ابلیس کی تمنّا

ابلیس اپنے شاگردوں کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ اس طرح سے کام کریں کہ خدا کا وہ عاشق کبھی بیدار نہ ہو سکے جس کی تکبیریں طلسمِ زمان و مکان کو توڑ کر ایک نئی دنیا وجود میں لا سکتی ہیں۔ اُسے کردار کی دنیا سے الگ رکھو تاکہ اُسے ہر بات میں ناکامی ہو اور وہ دنیا میں عزت نہ پا سکے۔ وہ قیامت تک غلام رہے، تاکہ دوسرے لوگ اس جہانِ بے ثبات کا نظم و نسق چلائیں۔ وہ شعر و تصوف میں ایسا ڈوبے کہ اُسے خبر ہی نہ رہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ میں اس امت کے بیدار ہونے سے ڈرتا ہوں جس کا دین کائنات کا محاسبہ کرنے والا ہے یعنی اس بات کا فیصلہ کرنے والا ہے کہ کائنات میں نیک کیا ہے اور بد کیا ہے حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، زیبا کیا ہے اور زشت کیا ہے، کون سی چیز باقی رکھنے کے قابل ہے اور کون سی چیز فنا کرنے کے قابل۔ مومن کو ذکر و فکر میں مست رکھو اور خانقاہی طریقوں میں اُسے اور پختہ کر دو تاکہ وہ دنیا میں اپنے رول کو بھول جائے اور اُسے دنیا کو بدل کر خدا کی مرضی کے مطابق بنانے والے صحیح مومنانہ کردار کی ضرورت کا خیال تک نہ آئے۔

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات!
تم اُسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوّف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات!
مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

(جاری ہے)

© rasailojaraid.co